خطبۂ صدارت

از

حجۃ الاسلام تقدس مآب سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر

آل انڈیا شیعہ کانفرنس اجلاس چہل و یکم

(منعقدہ بمقام)

کلکتہ

مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال نمبر ۲۱ اے، ویلسلی اسکوائر۔

بتاریخ ۲۹، ۳۰ رجون ۱۹۵۷ء

(ہند پریس ۱۵۲ ساگر دت لین۔ کلکتہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اولین فریضہ انسانی حمد باری و نعت خاتم النبینؐ و منقبت آئمہ معصومینؑ ہے پس میں اس فریضہ کو ادا کرتے ہوئے حسب ذیل کلمات دعائیہ کے ساتھ اپنے کلام کی ابتدا کرتا ہوں

"الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علےٰ خاتم المرسلین والسلام علےٰ ائمۃ المعصومین و علےٰ آلہ الہداۃ المہدیین ط"

برادران ملت! اس مہتم بالشان اجلاس کلکتہ کی صدارت کیلئے مرکزی کمیٹی نے عالیجناب سید علی ظہیر صاحب بالقابہ کا انتخاب کیا تھا مگر موصوف کی خلاف توقع عدم شرکت کی وجہ سے قہری طور پر یہ اہم فرض امسال پھر میرے سپرد ہوا ہے۔ میں نے مرکزی کمیٹی میں امسال جب میرا نام انتخاب کے لئے آیا تھا تو دوبارہ اس عہدہ جلیل کے فرائض اپنے ذمہ لینے سے باصرار انکار کر دیا تھا اور یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کسی برسر اقتدار متوسل حکومت بزرگ کو صدر بنایا جائے تاکہ انکا رسوخ و اثر کانفرنس کی تجاویز کو قابل پذیرائی بنانے میں کارفرما ہو۔ مگر اتفاقات اور غیر متوقع صورت حال کے رونما ہونے کی وجہ سے بحیثیت سابق صدر کانفرنس کے آج مجھے اس اجلاس کی صدارت بھی قبول کرنا پڑی۔ اس عنایت مکرر و مسلسل کے لئے میں آپ حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ ط

حضرات! اپنے سال گذشتہ کے خطبہ صدارت میں جو کچھ عرض حال مجھے کرنا تھا میں کر چکا۔ اس خطبہ کو میرے سابق خطبہ کا تتمہ آپ تصور فرمائیں

اس آل انڈیا شیعہ مرکزی کانفرنس کی بنیاد ۱۹۰۷ء میں یعنی آج سے پچاس سال قبل میرے والد مرحوم حضرت قدوۃ العلما مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے رفتار زمانہ اور مصالح وقت کا برمحل احساس فرما کر ڈالی تھی۔ اور شاید یہ انھیں بابرکت ہاتھوں کا تصدق ہے کہ باوجود حالات زمانہ اور مذاق ملکی میں غیر معمولی تغیرات

ہونے کے اس کانفرنس نے پچاس سال کی گرم و سرد جھیل لی اور اس پر یہ قطعہ بالکل صادق آتا ہے ؎

سرما بگذشت وایں دل زار ہماں گرما بگذشت وایں دل زار ہماں
ہر چند ہزار گرم و سرد عالم بر ما بگذشت وایں دل زار ہماں

اس پچاس سال کی مدت زندگی میں اسکی مسند صدارت پر ہماری ملت کے ہر صنف وطبقہ کے بزرگان قوم جلوہ آرا ہو چکے ہیں اور اپنے پُر مغز خطبہ ہائے صدارت اور پُر ضیا ارشادات وہدایات سے ابنائے ملت کی رہنمائی کے لئے شمع ہدایت روشن فرما گئے ہیں۔ ان خطبات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو شاید ہی کوئی پہلو ہماری تنظیم و ترقی و بہبود کا ایسا ہو جس پر ان رہبران ملت نے روشنی نہ ڈالی ہو لیکن وائے برحال ما کہ ہم نے ان شعاعوں سے اکتساب فیض نہ کیا۔
اس کانفرنس نے ہماری تعلیمی، تمدنی، ثقافتی، مذہبی، معاشرتی، اقتصادی اور معاشی جملہ ضروریات جماعتی کیطرف ہمکو اپنی تفصیلی و مشرح اور مبسوط تجاویز کے ذریعہ سے متوجہ کیا اور انکے متعلق عملی لائحہ عمل اور طریقہ کار بھی بتایا اور سمجھایا مگر ہم نے اس غلط فہمی میں کہ بحیثیت فرد ملت جعفریہ ہمارا اُنکی تعمیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جسنے ان تجاویز کو پاس کیا ہے وہی اُسکی تعمیل کرے۔ اُنکی تعمیل اپنا فرض قومی نہیں سمجھا۔ حالانکہ کانفرنس تو ایک مجلس شوریٰ ہے مشورہ دینا اُسکا کام ہے مشورہ پر عمل کرنا جملہ افراد ملت کا فریضہ ہے۔ اگر مریض طبیب کی مجوزہ دوا کا استعمال ہی نہ کرے اور مرض کی شدت ہی اُسکی زندگی کو اجیرن بنائے رکھیں تو اُسکے لئے مریض قابل الزام ہے یا طبیب؟ تاہم اس کل ہند مرکزی شیعہ مجلس مشورت نے عملی اقدامات بھی کئے ہیں۔ اور شیعہ کالج، شیعہ یتیم خانہ، قومی گھر، سرفراز پریس، سلطنی دارالمطالعہ، دارالصنعت فاطمی وغیرہ کا اجرا کر کے نمونہ کے طور پر کچھ مرکزی ادارے قائم کر دیئے ہیں۔ اس کانفرنس نے دیگر ضروریات ملی و مذہبی کے طرف بھی ہم کو متوجہ کر دیا ہے چنانچہ اسنے اپنے ابتدائی دور میں وظائف تعلیمی دیگر اور تعلیمی فنڈ قائم کر کے نادار اور ہونہار

تعلیم کے پیارے شیعہ طلبہ کو زیور علم سے آراستہ کیا اور اسطرح پر اپنے دردمند اور
باعمل افراد ملت کے ہاتھوں انجمن وظیفہ سادات و مومنین کی داغ بیل ڈالی جو اسوقت
سارے ہندوستان کے متعلمین کو اٹھارہ ہزار سالانہ کے وظائف دے رہا ہے اور کئی ہزار
طلبا کو تعلیم دلا کر افراد کو سب بنا چکی ہے اور بنا رہی ہے۔ اسی طرح اسی کانفرنس کے
پلیٹ فارم سے مدرسۃ الہیات کی تجویز ۱۹۰۸ء میں پاس ہوئی جو بعد کو راجہ صاحب
محمود آباد مرحوم کی فیاضی اور جناب نجم الملۃ کی بلاغت کی نظر سے مدرسۃ الواعظین
کی شکل میں پروان چڑھی۔ اسیطرح تبلیغ دین کے لئے اس کانفرنس نے اپنے ادائل زندگی
میں گشتی واعظین مقرر کر کے اصول و فروع دین سے اپنے ناواقف ارباب ملت کو آگاہ کیا اور
ایک صیغہ دار التالیف و دار الترجمہ کا بھی کتب دینی کی اشاعت کے لئے قائم کیا جسکی
جانب سے صحیفہ کاملہ کا ترجمہ، سرور انبیاء اور دیگر مفید کتابیں تالیف ہو کر شائع ہوئیں
یہ خدمت اب امامیہ مشن بدرجہ اتم انجام دے رہا ہے۔ اس کانفرنس نے قومی سوانح کے
موقعوں پر بھی اپنی ملت کی دستگیری کی ہے مثلاً سرحد پر جب ہماری جماعت کے افراد ۱۹۲۹ء میں
بے خانماں ہو کر سرما کی شدت کیوجہ سے ہلاک ہو رہے تھے تو اسنے گذشتہ اجلاس کلکتہ میں تیار ریلیف فنڈ کھولکر اور
ان کے لئے کمبل اور دیگر سرمائی ضروریات فراہم کر کے انکو ہلاکت سے بچایا۔ ۱۹۳۴ء میں جب
صوبہ بہار کے جان لیوا سیلاب نے ہزاروں کو بے مکان اور سیکڑوں معابد و مساجد کو تباہ
و برباد کر دیا تھا بہار ریلیف فنڈ جاری کر کے اس نے ان معابد و مساجد کی تعمیر کرائی اور انکو
باقی رکھا۔ مذہبی خدمات کی انجام دہی میں اس کانفرنس کا نمایاں حصہ رہا ہے جو آزادی کے
خلاف قصور (پنجاب) سیالکوٹ۔ پانی پت۔ بہاولپور۔ آگرہ۔ کلکتہ۔ احمد آباد۔ بمبئی جہاں
جہاں بھی کوئی محاذ قائم ہوا یا کوئی رکاوٹ پیدا ہوئی یہ کانفرنس ہمیشہ ان بنیادی حقوق مذہبی کی
تحفظ کی علمبردار بنی اور اسکی تجاویز سے ایسی رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ اوقاف شیعہ کے تحفظ میں
بھی اس کانفرنس نے کوتاہی نہیں کی ۱۹۰۷ء سے اسکا شعبہ وقف نمایاں خدمات انجام دے

رہا ہے۔ اسی شعبہ سے وقف منصبیہ میرٹھ وقف آغا کلب عابد امرتسر۔ وقف کوڑا جہان آباد اور وقف ہوگلی کلکتہ کے مقدمات لڑے گئے اور اسی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ صوبہ دہلی صوبہ بہار اور صوبہ اتر پردیش میں شیعہ اوقاف کے اصلاح و تحفظ کے لیے ایک سابق اجلاس کانفرنس کی تجویز کے مطابق جداگانہ بورڈ قائم ہیں اور صوبہ بنگال میں بھی ایسے بورڈ کی ضرورت پر زور یہ کانفرنس سنہ ۱۹۴۰ء سے برابر زور دے رہی ہے۔ جہاں تک اقتصادی ضروریات کا تعلق ہے اسے اقتصادی کانفرنس کا ایک مخصوص اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر سر سلطان احمد صاحب قومی سنہ ۱۹۵۵ء میں طلب کرکے ماہرین اقتصادیات کی کمیٹیاں مقرر کرکے اور تفصیلی تجاویز پاس کرکے ایک بسیط اور قابل عمل اقتصادی لائحہ عمل مرتب کرکے قوم کے سامنے پیش کیا ہے اور ایک شعبۂ اقتصادیات بھی قائم کیا جسکے کارکن چھوٹے چھوٹے کاروبار جاری کرتے ہیں۔ اشتراکی سرمایہ سے کاروبار کھولنے کی تحریکیں بھی اس کانفرنس کے پلیٹ فارم پر آچکی ہیں مگر ہماری ملت کو مشترکہ تعاون عمل سے اسقدر اجتناب ہے کہ انکی طرف کبھی ہمارے افراد متوجہ نہیں ہوئے۔ کاش انفرادی حیثیت ہی سے ہم لوگ اپنی ضروریات زندگی کی تجارت یا مقامی صنعتوں کے اجراء و احیاء کے شکل میں اپنے لئے قوت لایموت حاصل کرنے کا سامان کرتے۔ بغیر صنعت و حرفت اور تجارتی روزگار کی طرف متوجہ ہوئے موجودہ تنازع للبقا کی حشر سامانی میں ہماری اقلیت کا زندہ رہنا دشوار ہے۔

مگر میرے نزدیک اسوقت سب سے بڑی ضرورت ہیں اپنی ثقافت، ادبی لٹریچر اور مذہبی تعلیم کے بقا کیطرف توجہ کرنے کی ہے۔ آجکل جو بدنظمی مطلق العنانی، سرکشی ہمکو نظر آتی ہے۔ دراصل یہ اُس اخلاقی فقدان کا نتیجہ ہے جو مذہبی تعلیم کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے افراد قوم میں پیدا ہو رہی ہے۔ ہمارے ابتدائی مکاتب ازمنۂ ابتدائی اخلاقی اور دینی تعلیم جب سیرت اسلامی کو پیدا کرتی تھی، اُسکا خاتمہ کچھ تو انگریزیت نے کر دیا ہے اور کچھ موجودہ مادیت کی بڑھتی ہوئی رَو نے۔ نوجوانوں میں جو بے ادبی، خودرائی اور شورش پسندی پیدا ہوگئی ہے یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔ کیا ہم پُرانے سلسلہ مکاتب و تعلیم مذہبی کا احیا کرکے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک کے

کے لئے پشتے نہیں باندھ سکتے۔ کیا ہم اپنے بچوں کے دلوں میں خوفِ خدا۔ احترامِ والدین و اُستاد،
احساسِ فرائض اور دردِ قومی کے جذبات پیدا کرکے انکو انسانیت سے قریب تر نہیں بنا سکتے۔ میں
تمام قومی اداروں۔ مذہبی انجمنوں اور تعلیمی جماعتوں سے استدعا کرونگا کہ اپنے اپنے
حلقوں میں ایسی مذہبی تعلیم کی درسگاہیں اور مکاتب کھولیں کہ اپنی ثقافت اور دینی حیات کی بقا
کی بر محل فکر کریں ورنہ پھر یہ سیلاب ہمارے وجودِ ملی کو نابود کر دیگا اور ہمارا مذہب ہمارا تمدن
اور ہماری تہذیب بالکل رخصت ہو جائینگے۔ زبانِ اُردو جسمیں ہماری مذہبی لٹریچر اور اسلامی
تاریخ محفوظ ہے اور جسمیں ہمارے مراسمِ مذہبی اور عزاداری کا ذخیرہ ہے اسکے بقا کیطرف بھی ہمکو
خاص توجہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ اگر یہ درخت خشک ہوا تو پھر اسکے سایہ سے ہم محروم ہو جائینگے اور
دشتِ بلا میں العطش العطش پکارتے پھرینگے۔

تعلیمِ نسواں کیطرف اس کانفرنس نے ابتدائے ہی سے توجہ کیا ہے لڑکیوں کی تعلیم کو طبقۂ نسواں
کے فرائضِ فطری کے ادا کرنے کیلئے مفید تر بنانے پر ہمیشہ زور دیا ہے چنانچہ اسکے پیشِ نظر ایک نصابِ تعلیم مرتب
کرنے اور ایسی درسگاہیں قائم کرنے کیلئے جسمیں حدودِ شریعت اور اصولِ اخلاق کو برقرار رکھتے ہوئے
طبقۂ نسواں کو زیورِ علم سے آراستہ کیا جائے۔ شیعہ کانفرنس نے آج سے تیس سال پہلے تجاویز پاس کی تھیں۔
آل محمد گرلز اسکول امروہہ اور شمسی نسواں اسکول مٹیا برج کلکتہ کا قیام بھی اسی ضرورت کے پیش نظر ہوا تھا مگر موجودہ طریقۂ تعلیم جو ہر
اُسنے ان تجاویز کو ہمیشہ تشنۂ عمل رکھا۔ کیا یہ تلخ حقیقت نہیں ہے کہ موجودہ نظامِ تعلیم جو ہمارے مدارس
انگریزی میں جاری ہے ہمارے طبقۂ نسواں کو انکے فرائضِ فطری و نسوانی سے دور کر دیتا ہے اور صحیح معنوں
میں انکو رفیقۂ حیات نہیں ثابت کرتا۔ آپکو اپنے گھروں کی عافیت اور اسکا نظم و نسق برقرار رکھنے کے لئے
تعلیمِ نسواں کی اصل غایت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایسا نصابِ تعلیم و طریقۂ درس معین کرنا چاہیئے جو
خانگی امن و عافیت میں اضافہ کرے۔ اور آپکے بچوں کی تربیت کا سامان خوش کردار تعلیم یافتہ ماؤں کی گود میں کرے

اس کانفرنس کے مقاصدِ اساسی میں یہ بھی ہے کہ جہاں اسکے اجلاس سالانہ ہوں وہاں کی مقامی
ضرورتوں کیطرف بھی مخصوص توجہ مقامی حضرات کی مبذول کرائے۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں لکھنؤ میں

ایک دارالعجزہ بیروزگاری دور کرنے کیلئے کھولنے کی تجویز پاس کیگئی تھی اور ایک نمائندہ کمیٹی اُسکی تعمیل کیلئے بنائی گئی تھی مگر آجتک اس تجویز کا پیرہن کاغذی ہی ہے۔ حالانکہ ۱۹۵۶ء میں بیروزگاری کی کشمکش ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں چوگنی ہوگئی ہے۔ خاتمہ زمینداری، فقدان ملازمت اور عام اقتصادی فلاکت نے ہماری اقلیت کو دریوزہ گر بنا دیا ہے اور ہم فاقہ کشی کی منزل کے قریب پہنچ گئے۔ خاتمہ زمینداری نے ہمارے اوقاف مذہبی کی املاک لیکر اور اُنکا مناسب بدل عطا نہ کرکے یہ دروازہ خیر و خیرات و امداد مستحقین کا بھی بند کردیا ہے اور بعض صوبوں میں جیسے صوبہ بہار اتنی مدت کے بعد بھی عطیہ سالانہ یا امداد درمیانی نہ ملنے کیوجہ سے تمام امور خیر و خیرات بند ہیں۔ ہمکو حکومت کو اسطرف متوجہ کرنا چاہیے کہ ایسے اوقاف عام اپنا مقصد اجرا پورا کرسکیں اور یہ راہیں خیر و خیرات کی مسدود نہو جائیں۔ اوقاف مملکت کی خصوصاً وقف بورڈ کی زبوں حالی اور اُسکی املاک وقفی پر حکومت غیر ملکی کا تصرف بھی آپکی توجہ اور احتجاج کے محتاج ہیں۔ بنگال کے وقف بورڈ کے منتشر کر دینے کی وجہ سے ہماری اقلیت کے اوقاف کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ ہماری کانفرنس اس بارے میں مسلسل احتجاج کرتی رہی ہے اور ترمیم بنگال مسلم وقف ایکٹ کی طالب ہی ہے مگر ابتک حکومت نے اسکو قابل التفات نہیں سمجھا مگر اس بے التفاتی سے ہم کو مایوس نہونا چاہیے۔

اس اُمید پر آجتک جی رہے ہیں :: نہیں کرنیوالے کبھی ہاں کریں گے

حال میں ایک مضمون ایک مقامی اخبار میں سب مسلمانوں کے متحد العقائد مجتمع ہونے پر نکلا تھا اور اسی عنوان کا ایک مضمون انگریزی کے ایک اخبار میں نکلا تھا جسمیں غلط فہمی سے عدم واقفیت کی بنا پر اس کانفرنس کو سیاسی کانفرنس سمجھ کر اس امر پر اعتراض کیا گیا تھا کہ ایک وزیر حکومت کو بحیثیت عضو حکومت کے کسی فرقہ وارانہ جماعت کی صدارت قبول نہ کرنا چاہیے۔ پچاس سال بعد بھی یہ غلط فہمی اگر کسی مدیر اخبار کو ہو کہ یہ کانفرنس سیاسی ہے تو اسکا شکوہ کس سے کیا جائے۔ اس کانفرنس کے دستور العمل کی دفعہ ۳ صاف ہے کہ اسکو سیاست سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور یہی اصول ہمیشہ اس کانفرنس کا معمول بہ رہا ہے اور ابتک ہے۔ دوسری غلط فہمی یعنی یہ جماعت فرقہ وارانہ ہے یہ بھی

صریحاً اس کے آئین سے بیخبری پر مبنی ہے۔ اسکے مقاصد کی دفعہ ۲ فقرہ (ب) میں صاف صاف یہ بنیادی اصول رکھا گیا ہے "دیگر فرق اسلامی اور اقوام عالم سے مشترکہ ضروریات میں ہم آہنگ ہونا اور اتحاد عمل کی سعی کرنا" چنانچہ اس اصول پر یہ کانفرنس ہمیشہ کاربند رہی ہے۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس کانفرنس سے کبھی کوئی تجویز ایسی پاس نہیں ہوئی جو فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرے یا فرقہ وارانہ خلیج کو بڑھائے۔ یہ کانفرنس اپنی ملت کے مخصوص ترقی و بہبود کی حامی ضرور ہے مگر اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ ملکی ترقی کی اہمیت کم حامی ہے۔ ملکی ترقی و تنظیم میں بھی اسکے افراد کا اور اسکی جماعت کا حصہ کسی دوسری جماعت سے کمتر نہیں رہا ہے۔ اور مشترکہ مفاد کے حصول میں یہ کانفرنس ہمیشہ دیگر معاصر جماعتوں کی ہمنوا رہی ہے۔ مسئلہ فلسطین ہو یا مسئلہ تحفظ آثار متبرکہ مسئلہ تحفظ معابد و مساجد، یا مسئلہ تحفظ اوقاف ان سب میں یہ کانفرنس انھیں مطالبات کی حامی رہی ہے جسکے دیگر برادران اسلامی یا ملکی حامی رہے ہیں۔ اسی طرح تعمیر ملک کے سلسلہ میں جو منصوبے حکومت نے تیار کئے اُنکے کامیابی میں بھی ہم نے برابر اتحاد عمل کیا ہے۔ ہماری جماعت اپنی تنظیم اپنے جماعتی حلقہ میں اسلئے کرتی ہے کہ وہ دوسری ملکی جماعتوں کے دوش بدوش چلنے کے قابل ہو جائے نہ اسلئے کہ وہ دوسروں کی مد مقابل بن جائے۔ بقول شخصی ؎

عشرت خانہ گھٹے گی کہ بڑھیگی اے دوست ٭ اگر آئینہ کے آئینہ مقابل ہو جائے۔

آج اس ملک میں کونسی جماعت ہے جو ایک مشترکہ پلیٹ فارم سے اپنی آواز اپنے مذہبی اور تعلیمی اور شہری حقوق کے تحفظ کیلئے بلند نہیں کرتی اور اپنی معاشی اور اقتصادی شیرازہ بندی نہیں کرتی۔ پھر ہماری جماعت کو "فرقہ وارانہ جماعت" کیوں کہا جاتا ہے ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا ٭

کسی عقیدہ و مذہب پر قائم رہنا ہر انسان کا فطری حق ہے۔ اسلئے محض لفظ "شیعہ" کا اس کانفرنس کے ساتھ ہونا اسکو فرقہ وارانہ نہیں بنا سکتا۔ عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود

رواداری کا پہلا مقولہ ہے اس پر ہم کو عامل ہونا چاہیئے اور اسی پر یہ کانفرنس عامل ہے

آخر میں مجھے دو کلمے اتفاق و اتحاد کے متعلق عرض کرنا ہیں مجھے تعجب ہے کہ وہ جماعت جو تنظیم جماعت حسینی کے کارنامے روزانہ اپنی مجالس میں سنتی ہے آپس میں اسقدر دست و گریباں ہے کہ کوئی قریہ اور کوئی شہر اس ناہمواری سے خالی نہیں۔ جہاں دیکھئے دو جماعتیں اور دو ٹولیاں موجود ہیں۔ اگر یہ تنازعات محض دنیاوی امور میں ہوتے تو قابل عفو کیے جاسکتے تھے مگر جب یہ جھگڑے قومی اور مذہبی کاموں میں بھی کارفرما نظر آتے ہیں تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ مذہبی اور قومی انجمنوں میں بھی یہ تفرقہ موجود ہے حالانکہ مقصد سب کا واحد ہے اور نصب العین سب کا ایک۔ طریقہ کار کے اختلاف کا عین مقصد کے اختلاف پر ختم ہونا عجیب بات ہے کیا ہم مشترکہ مفاد کے حصول کے لئے بھی متحد نہیں ہوسکتے۔ کیا ہم وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ کی تعلیم قرآنی کو بالکل فراموش کر گئے ہیں۔ مگر للہ قومی شیرازہ بندی جماعتی حیثیت سے کیجئے اور اختلافات ذاتی کو ختم کر دیجئے۔ ایک آواز صدا بصحرا ہوسکتی۔ جماعتی نعرہ بانگ درا ہوتا ہے جس پر کارروان چل کھڑے ہوتے ہیں۔ کیا ہمارا کارروان یوں ہی منتشر اور متفرق رہے گا۔

خدا نے آجتک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

آخر میں آپ سے سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ میری معروضات بے ربط ہوں تو ہوں مگر ٹوٹے ہوئے دل کی آواز کا بے سرا ہونا لازمی ہے۔ شاید مجھ شکستہ دل کی آواز آپ پر اثر کرے۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ ہم کو توفیق عمل دے اور ہمارے منتشر شیرازہ کو مجتمع کر کے منزل تعمیر ملت میں گامزن کرے اور منزل مقصود تک پہنچائے۔ آمین ثم آمین۔

خادم

سید کلب حسین صدر جلسہ